علم، عقل اور روحانیت

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف دھڑکتا ہوا، لفظ لفظ بولتا ہوا، بات بات من میں اترتی ہوئی

علامہ سید ریاض حسین شاہ

کی فکرِ قرآن سے منور اور عشقِ رسول ﷺ میں ڈوبی ہوئی
روح پرور انقلاب انگیز تصانیف خود پڑھیے دوسروں کو پڑھائیے

تذکرہ

Path to Eternity
Philosophy of Taqwa
Dignified Love That Glorifies

کتب حاصل کرنے کے لئے رابطہ

ادارہ تعلیمات اسلامیہ ... سیکٹر III، راولپنڈی۔ 0300-5141965
... H بلاک، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 0322-4301986
ادارہ تعلیمات اسلامیہ W بلاک، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد۔ 041-8713691

Website:
E-mail:

علم، عقل اور روحانیت

خطبات

(9)

سید ریاض حسین شاہ

اتفاق اسلامک سنٹر، ایچ بلاک، ماڈل ٹاؤن لاہور 042-35838038

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حاضرین محفل!

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو اصلاح انسانیت کے لیے جو مقاصد کی روشنیاں عطا فرمائیں سورۃ الجمعہ میں ان کا بیان اس طرح ہے

ارشاد باری ہے

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ

وہی ہے جس نے آزاد بے پڑھے لوگوں میں سے ایک عظیم القدر رسول اٹھایا جو تلاوت فرماتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور پہلے تو وہ سب لوگ فکری اور عملی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔

آیت میں ایک روحانی اور منطقی ترتیب سے جو حقائق بیان ہوئے وہ کچھ اس طرح ہیں

(1) حضور ﷺ کی بعثت ''اُمیین'' میں ہوئی

(2) اصطفا اور انتخاب کا تحفہ اسی قوم کو ملا جس میں حضور ﷺ کا نور ظاہر ہوا

(3) تلاوت آیات وظیفہ نبوت ہے

(4) ''تزکیہ'' مقاصد نبوت میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے

(5) کتاب کی تعلیم کو مرکزیت حاصل ہے

(6) اور حکمت کی تعلیم بھی فرائض نبوت میں اہم ہے

(7) قرآن مجید کا یہ اعلان کتنا شہامت انگیز ہے

"اور اس سے پہلے یہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے"۔

ضلال کا معنیٰ گمراہی کرنا سائنسی نہ ہوگا اس لیے کہ عربی میں دھوپ اور سائے کا ملا ہونا اور دودھ اور پانی کا مل جانا اس کلمہ کی اساسیت کو لیے ہوئے ہیں اگر ہم یہ معنیٰ لے لیں تو علم کی ماہیت کا اندازہ لگالینا قدرے آسان ہوگا۔ ذہن کنفیوز (Confuse) ہونا، شک وشبہ میں پڑ جانا یا کسی شئ کی حقیقت تک عدم رسائی اور راستے کے انتخاب میں سوچ سے محروم ہو جانا۔

اعمال کی اساس

محترم سامعین! اعمال کی اساس ایمان ہے اور اس کا مطلب ہوتا ہے مان کر معبود کی اطاعت اپنے اوپر لازم کرلینا اور اطاعت میں جب تک مطاع کی مرضیات اور غیر مرضیات کا پتہ نہ چلے اطاعت مشکل ہوتی ہے۔ یہ جاننے کے لیے اور لوگوں کی مشکل آسان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے تاکہ اس کی مرضی ان کے ذریعے معلوم کی جاسکے یہی شریعت ہے اور اسی کے ساتھ جاننے کے لیے مربط ہونا علم ہے اور اسلام میں علم حاصل کرنے کی بڑی فضیلت ہے خصوصاً قرآن سے وابستگی نور ہے۔

علم کی تعریف

میر سید شریف جرجانی علم کی تعریف یوں کرتے ہیں

هو صفة يتجلى بها المذكور لمن قامت هو به قامت هي به

"علم ایک ایسی صفت ہے جس سے روشن ہوجاتی ہے وہ چیز کہ جس سے اس کا تعلق ہے"۔

حارث محاسبی کہتے تھے کہ علم کی اصل عقل ہے اور عقل کے ذریعے علم انجلا کرتا ہے یعنی ہر چیز کو روشن کر دیتا ہے اور عقل کی تعریف بھی یہی ہے

العقل غريزة يتهيأ بها لقبول العلوم النظرية

''عقل انسان کے اندر ایک مرکوزہ کیفیت ہے جس سے وہ علومِ نظریہ کو قبول کرتا ہے''۔

اصل میں محاسبی کے نزدیک عقل ایک نور ہے جو بندے کے دل میں رکھا گیا ہے اسی سے معلومات منکشف ہوتی ہیں۔ عقل اپنی اطاعت میں باصرہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ اور قوت سامعہ کو استعمال میں لا کر جب کائنات سے حقائق جاننے کے لیے سفر کرے تو یہ مشاہداتی سفر سائنس ہو کر واقعیت کی طرف لے جاتا ہے لیکن اس دنیا کی بات قطعی نہیں ہوتی اس لیے سائنس دانوں نے یہ اعتراف کیا ہے

''نظریات دراصل ذہنی نقشے ہوتے ہیں جو معلوم قوانین کی تشریح کرتے ہیں یہ صحیح ہے کہ ایک سائنسی نظریہ ایک کامیاب عملی مفروضہ ہوتا ہے لیکن اسے کسی وقت بھی آنے والی تحقیق رد کر دیتی ہے''۔

اس کے برعکس جب عقل اپنے متلازمین سامعہ باصرہ وغیرہ کو باب نبوت کی طرف لے جاتی ہے اور اللہ کی مرضی اور رضا جاننے کا ذریعہ رسول ہی کو سمجھتی ہے تو یہاں سے شریعت کا علم شروع ہوتا ہے اور یہی اثاثہ روحانی ہوتا ہے ذکر اذکار جو تلاوت آیات سے طریقت کے دائرے میں داخل ہو کر حقیقت کو چھو لیتا ہے یہاں حقائق کی تشریع اور تعبیر ہو سکتی ہے لیکن حقائق کو بدلا نہیں جا سکتا ہے۔

قابل غور نکتہ

یہاں تین چیزیں ہمارے سامنے آئیں ایک سائنس ہے دوسرا مشاہدہ ہے اور تیسری چیز خدا کی معرفت اور اس کا ذکر ہے۔ کامل مشاہدہ علومِ ظاہری سے شغف رکھنے والوں کا کامل نہیں ہوتا بلکہ صوفیہ جن کا دل ''خلوص'' کی آماجگاہ ہوتی ہے، آنکھیں دید اور زیارت کا وسیلہ ہوتی ہیں۔ زبان محبوب اور معبود کے گیتوں کے لیے وقف ہوتی ہے۔ کان حسن کے نغمے سننے کے شیدائی ہوتے ہیں اور ''لمس'' میں ملاقات کا جذبہ تڑپ رہا ہوتا ہے اور آخر میں عقل ہے یہ جب صحیح اور مکمل ہو جائے یہ راز کھولتی ہے۔ اسی مقام پر بندۂ خدا اور اس کے رسول کے سوا کسی کا نہیں رہتا۔ صحیح یاد نہیں لیکن کسی

دور میں ایک کتاب پڑھی تھی:

Nature and Science Speak About God.

''سائنس اور فطرت خدا ہی کی باتیں کرتے ہیں''۔

محبت کا وہ مقام بڑا اہم ہوتا ہے جب سامعہ، باصرہ، ذائقہ، شائمہ اور لامسہ عقل کا دامن پکڑ کر کسی مرشد کامل کی بیعت کر لیتے ہیں پھر بدن کا رواں رواں اللہ کے ذکر میں ڈوب جاتا ہے۔ عشق کی یہ منزل کسی روحانی رہبر کے سوا نہیں ملتی۔ آیئے آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں۔ حدیث کا متن بخاری شریف کا ہے۔ باب التواضع کے اندر اس حدیث کو پڑھا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک یہ اللہ کا فرمان ہے

''جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے گا تو میں اسے لڑائی کا چیلنج کرتا ہوں اور میرا بندہ جن چیزوں سے میری قربت چاہتا ہے ان میں سب سے زیادہ فرائض مجھے محبوب ہیں اور یہ نوافل ہیں جن کے ذریعہ میرا بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں اس اعزاز کے بعد پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کوئی سوال کرے تو میں اس کو ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ کا طالب ہو تو میں ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں اور میں کسی چیز میں تردد نہیں کرتا جس کو میں کرنا چاہتا ہوں جتنا تردد میں مومن کی جان کے بارے میں کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اُس کے برائی میں پڑنے کو ناپسند کرتا ہوں''۔

امام فخر الدین رازی نے سورۃ الکہف کی تفسیر میں یہ الفاظ بھی تعبیراً نقل کیے:

”ایسے ہی بندہ جب اعمال پابندی کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ حدیث میں مبینہ کیفیت اُسے عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ جب بندے کا کان بن جائے تو وہ نزدیک اور دور کی باتیں سننے لگ جاتا ہے اور جب نور اس کی آنکھ میں آجاتا ہے تو وہ دور بھی ایسے ہی دیکھتا ہے جیسے قریب اور جب اس کا نور ہاتھ میں آجائے تو وہ سخت اور نرم ہر قسم کی زمین میں تصرف رکھنے لگ جائے گا“۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اور بدر الدین عینی نے اس حدیث کی تشریح میں بڑے نفیس اور عمیق نکات تحریر فرمائے ہیں

ایک فنی بحث

بزرگ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان نہیں فرمائی بلکہ بخاری، مسند احمد، طبرانی، بیہقی، مسند علی، بزار اور ابو یعلی نے حضرت انس، حضرت عائشہ، حضرت عروہ، حضرت علی، حضرت حذیفہ، حضرت معاذ بن جبل، وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ پہلے تو اس میں کوئی ضعف ہے نہیں اگر کوئی باریک سی بات ہو تو کثرت طرق اس تعریض کو ختم کر دیتی ہے۔

مفاہیم و مطالب

”من عادی لی ولیاً“ کا مفہوم یہ ہے کہ یہ باب مفاعلہ مشارکت نہیں چاہ رہا بلکہ ملاطفت اور معانی کے رنگ گہرے کرنے کے لیے لایا جا رہا ہے۔ اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ جو شخص خود ظالموں سے بدلہ نہ لے بلکہ معاملات کو اللہ کے سپرد کر دے۔ محدثین نے اگرچہ اس کی صراحت نہیں کی لیکن مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرعون اور یزید غرور کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے مقابلہ میں لے آتا ہے تو وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ اس سے باز پرس میں عاجز ہے۔ یہاں بارگاہ ایزدی سے ایک جزم دیا جا رہا ہے کہ اولیاء دشمنی تباہی ہے بعض محدثین نے اعلام حرب کو ولی دشمن لوگوں کی طرف سے مبارزت کے معنوں میں لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ولی دشمن لوگوں کو

تباہی کی تنبیہہ کی ہے اعلام جنگ کا یہی معنیٰ ہے۔

ولی کون ہوتا ہے؟

ولی وہ مردِ عارف ہوتا ہے جو طاعات پر کاربند ہوتا ہے۔اسے دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے۔اس کا دل اندھیروں میں چراغ کی مانند ہوتا ہے وہ محرمات سے بچتا ہے اور اپنی مرضی کو فنا کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی میں ڈوب جاتا ہے۔اس کی زندگی میں دکھلاوا نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایمان اور تقویٰ کی نوری لہریں جہاں چاہے پہنچا دیتا ہے۔وہ اس طرح خود کو چھپا کر رکھتا ہے کہ محفل میں آئے تو آنا محسوس نہیں ہوتا اور محفل سے چلا جائے تو جانا غبار پیدا نہیں کرتا۔اسلام کو ضرورت ہو تو اس سے کرامت ظاہر ہو جاتی ہے وگرنہ وہ مشاہدات ہی سے تازہ جہاں پیدا کر لیتا ہے۔اس کی تنہائی پریشان کن نہیں ہوتی اور اس کا جلوۂ محفل بے مقصد نہیں ہوتا۔

قرآن مجید کہتا ہے:

ان اولیاءہ الا المتقون

اللہ کے ولی وہی ہیں جو تقویٰ رکھتے ہوں

وما تقرب۔۔۔

اللہ کے صالح بندے فرائض کی پابندی کرتے ہیں اس میں ثواب بھی ہوتا ہے اور ترک میں عذاب کا اندیشہ ہوتا ہے۔نوافل فرائض کی پابندی کی ساتھ ہی نور ہوتے ہیں فرض نہ ہوں تو نفل یا غرور ہوتے ہیں یا فتور ہوتے ہیں یہ بات صحیح ہے کہ فرائض نور خورشید کی طرح ہوتے ہیں اور نوافل کرنوں کی مانند ہوتے ہیں۔فرض نہ ہوں تو نوافل زمین اور آسمان کے درمیان معلق رہتے ہیں۔

عشق کی راہ

دین میں ایک عشقِ ایمان ہوتا ہے اور ایک ایمانِ عشق ہوتا ہے اس مقام عشق میں نظریاتی تصلب کی دولت ملتی ہے اور عشق عمل میں انسان کی زبان اپنے ربّ کے نام کی مالا جپتی رہتی ہے۔تصور اور خیال اللہ کے اسم اعظم میں ڈوبے رہتے ہیں۔یہاں پیشانی چاہتی ہے کہ وہ معبود

کے سامنے سجدوں کا قرض ادا کرتی رہے اور جسم میں عبادت مچل مچل کر نفل بنتی رہتی ہے۔ نفل ادا کرنے والا عشق میں جل رہا ہوتا ہے اور محبت کا ہر استحقاق اس کی نام ہوتا ہے۔ وہ اپنی آنکھیں معبود کو دے دیتا ہے اور اپنے کان محبوب کے لیے وقف کر دیتا ہے۔ اس کی زبان محبت کے زمزمے اگلتی ہے۔ کہتے ہیں محبت متعدی ہوتی ہے اور وہ ماحول محبت کی تخلیق خود کرتی ہے۔ یہیں اس کو یہ نوید جانفزا ملتی ہے مبارک ہو میں خدا اب تیری آنکھ میں آ گیا ہوں۔ تیرے کان میں، میں نے سماعتوں میں اپنی شنوائی کا فیض ڈال دیا اور تیری زباں سے میں خود بولتا ہوں۔ لوہا آگ میں سرخ ہو جائے تو اس کی اصل نہیں بدلتی صرف آگ کی سرخی نظر میں سما جاتی ہے اللہ کا کوئی مکان نہیں وہ زمانوں میں محصور نہیں لیکن چاہے تو ایک عاشق کے لیے درخت کے اندر سے اعلان کر دے میں اللہ ہوں جہانوں کا رب۔

حدیث اگرچہ متشابہات سے ہے اور خود خدا جسم و جسمانیت سے پاک ہے وہ کس طرح آنکھ ہو جاتا ہے، کان ہو کر سننے لگ جاتا ہے اور زباں ہو کر بولنے لگ جاتا ہے۔ یہ ماننا ضروری ہے لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ تحقیق کا عنوان نہیں تسلیم اور رضا کا موضوع ہے۔

- پہلی توجیہہ علماء نے یہ فرمائی ہے کہ میرا بندہ میری محبت اور میرے ذکر میں مشغول ہے اس طرح اس نے دنیا سے اپنے کان، ناک، آنکھ بند کر لیے ہیں اس لیے اس کا ضامن میں بن گیا ہوں جب اس نے اپنی مرضی ختم کر لی میں نے بھی اسے اپنی رضا کا لباس پہنا دیا۔
- عارفین نے دوسرا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں اس کے تمام مقاصد پورے کر دیتا ہوں گویا میرے بندے کا سارا خزانہ اس کا وجود ہی سے ثمر بار ہونے لگ جاتا ہے اور اسے زندگی میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔
- تیسرا مفہوم محدثین نے یہ بیان کیا ہے کہ میں ہر جگہ اس کی مدد کرتا ہوں اسے نوازتا اور اسے ایسا قرب عطا کرتا ہوں کہ وہ محسوس کرنے لگ جاتا ہے۔

۞ چوتھی عرض یہ ہے کہ حدیث میں مصدر اسمِ مفعول کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں اپنے بندے کا مسموع بن جاتا ہوں کہ وہ صرف میرا ہی ذکر سنتا ہے اور میرا ہی جلوہ اس کی شہادت گاہ بن جاتی ہے اور میں ہی اس کا مذکور ہو جاتا ہوں اور میرا نام اس کی روح کی گہرائی میں اتر جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میرے رضا دیکھ کر حرکت کرتے ہیں اور اس کے پاؤں ادھر چلتے ہیں جدھر وہ میری خوشبو پاتا ہے۔ وہ مجھ سے مناجات کرنے میں انس محسوس کرتا ہے۔

۞ پانچویں یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ اس کے وجود میں، میں اپنے نور کی طاقت سے آتا ہوں اور اس کے دوستوں کا دوست ہو جاتا ہوں اور اس کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہوں۔ حضرت علیؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہی فرمایا جس کے ساتھ تیری جنگ ہے اس کے ساتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی جنگ ہے اور جس کی تیرے ساتھ صلح ہے اس کے ساتھ میری صلح ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

۞ چھٹی بات اقبال نے لکھی ہے کہ

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

اگر شوق شوخ نہ ہو ادب میں رہے تو رب نے کہا میرے کسی ولی سے ملاقات کرلو وہ خدا تو نہیں ہوتا لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتا۔

۞ ساتویں بات کہ ولی سے کرامت اس وقت تک صادر نہیں ہوتی جب تک کہ قرب اور اشغال کا جلوہ یوں اس کو نہ مل جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی مدد بڑے طریقوں سے کی ہے۔

۞ آٹھویں بات رازی نے لکھی ہے کہ اللہ مشاہدہ کی طاقت کو اور شنوائی کی برکت کو اور لمس کے اثر کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ ''**یا ساریہ الجبل**'' انہی جذبات اور

احساسات کی عکاسی ہے۔

- نویں یہ بات بھی لکھی گئی کہ "علم لدنی" کا یہ پہلا مرحلہ ہے جہاں عرفان و آگہی آسمان کا عطیہ بن کر مقدر ہو جاتا ہے۔
- اور دسویں بات یہ ہے کہ دنیا میں رہبری کی آخری منزل عقل کی تکمیل ہوتی ہے اور ولایت میں عقل سے ماوری نقاش فطرت اپنے بندے کا ہاتھ خود پکڑ لیتا ہے۔
- گیارہویں بات یہ ہے کہ حواس خمسہ بندوں کی ضروریات محسوس کرتے بھی ہیں اور محسوسات کو سمجھنے میں مدد بھی دیتے اللہ تعالیٰ نے اس حدیث قدسی میں یہ فرمایا کہ حواس اور عقل احتیاجات پوری کرنے میں اتنے سریع نہیں جتنا جلدی اللہ بندے کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔
- بارہویں یہ بات بھی سوچی جاسکتی ہے کہ بندے کی دنیا میں ساری خواہشیں پوری نہیں ہوتیں کسی کی دو اور کسی کی تین اور کسی کی اس سے بھی زیادہ پوری نہیں ہوتیں رہ جاتی ہیں۔ صوفیہ کہتے ہیں اللہ کی ذات میں ڈوبا ہوا رجل عظیم سلوک کی انتہائی منزل اور غایت پالیتا ہے۔

وَمَاتردّدت عن شئی کا معنیٰ

جملے کا مفہوم سمجھنے کے لیے ہم اس لفظ کے مادے میں غور وفکر کرتے ہیں بعد ازاں ہم اس قابل ہو سکتے ہیں کہ ہم جملہ سے مفہومِ تعمیری اور فیضِ تعبیری پاسکیں۔ راغب نے المفردات اور زبیدی حنفی نے تاج العروس اور ابن منظور افریقی نے لسان العرب میں لکھا ہے

"ردّیَرُدّ کسی کو لوٹا دینا ہوتا ہے۔ مادی طور پر بھی کوئی چیز واپس کرنا "ردّ" ہوتا ہے اور معنوی انداز میں بھی یہ لفظ اپنے اندر لوٹانے کا معنیٰ سموئے ہوتا ہے۔ البتہ رد کے بعد اگر "علیٰ" آئے تو اس میں تحقیر اور اعانت کا پہلو ہوتا ہے۔ تردید کرنا کسی چیز کو قبول نہ کرتے ہوئے جدھر سے کوئی مفہوم آیا ہے ادھر ہی واپس کر دینا ہوتا

ہے''۔

قاعدہ یہ ہے کہ ردّ کے مادہ کے بعد اگر الیٰ ہو تو اس میں عزت اور اکرام کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

''فرددناہ الی امہ'' تو یوں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو واپس ماں تک پہنچا دیا۔ ردی لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے عام طور پر یہ کھوٹے سکّے کو کہہ دیتے ہیں۔

''ارتداد'' کا معنیٰ راغب نے یہ لکھا کہ اسی راستہ پر پلٹ کر جانا جس پر کوئی آیا ہو جبکہ تردد کا معنیٰ کسی کے پاس بار بار آنا ہوتا ہے اور ''تردد فی الامر'' کا معنیٰ کسی معاملہ میں مذبذب ہو جانا ہوتا ہے اور کسی فیصلہ پر حتمی طور پر نہ پہنچنا ہوتا ہے۔ ''مردہ لہ'' کوئی چیز اس معاملہ کو ٹال نہیں سکتی۔ ''خیر مردا'' کا مفہوم ہوگا کسی چیز کا انجام کار مفید ثابت ہونا۔

یہ لفظ مبالغہ کے لیے لایا جاتا ہے اور یہ مصدر قیاسی ہے عمر بن عبد العزیز کہتے ہوتے تھے:

لا ردیدی فی الصدقہ

''ہم سال میں دو بار صدقہ یعنی زکوٰۃ وصول نہیں کرتے''۔

''مردودہ'' کسی چیز کا واقعی میں ختم ہو جانا ہوتا ہے۔ ''الرَدّہ'' قباحت کے معنوں میں بھی لایا جاتا ہے۔ اونٹ جس انداز میں پانی پیتا ہے اسے بھی الردہ کہہ دیتے ہیں۔ دودھ دھونے کے وقت جو آواز میں موسیقیت پیدا ہوتی ہے وہ بھی ردّہ ہوتی ہے۔ ''ترادد'' تکثیر کا معنیٰ بھی دیتا ہے وہ دریا جس میں موجیں زیادہ ہوں وہ البحر المرد ہوتا ہے۔ ''ناقہ مردودہ'' وہ ہوتی ہے جس کی کھیری دودھ سے بھر جائے۔ ''تیز'' بارش کو ''الردید الجفل'' کہہ دیتے ہیں۔ پہاڑی دروں میں جو آواز گونجتی ہے اُسے ردادہ کہتے ہیں ''مرود'' سرچو ہوتا ہے۔ راجع قول ''دورادہ'' ہوتا ہے۔ پانی زیادہ پینے سے پیٹ پھول جائے تو اسے ''مردادہ'' کہہ دیتے ہیں۔

ہیں۔ کھڑکی کو بھی اسی مادہ کی تعبیر کا جامہ پہنا دیا گیا۔ ''مرید'' کا معنیٰ ارادہ کرنے والا ہوتا ہے اور میم کی فتحہ کے ساتھ مَرید کا معنیٰ سرکش شیطان ہوتا ہے۔ ردۃ تھوڑی پر بنائے گئے اس نشان کو بھی کہہ دیتے ہیں جس سے قبیح چہرے کو اچھا بنانے کی سعی کی گئی ہو۔

جملے کا ظاہری معنیٰ

مفہوم حدیث یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس تردد میں رہتا ہے کہ بندے کو موت دے یا شفا دے مگر اس معنویت میں تردد ہے اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں وہ تو قادر مطلق ہے اور ہر علم اسی کی طرف لوٹتا ہے خود اس کا اپنا فیصلہ ہے کہ اجل آنے پر ایک لحظہ بھی تقدم تاخر نہ ہوگا اس لیے علماء نے یہاں تاویلات کی ہیں۔

خطابی کہتے ہیں

اس جملے میں دو تاویلیں کی گئی ہیں کہ بندہ کبھی بیماری کی وجہ سے موت سے قریب ہو جاتا ہے۔ تو اس حال میں اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ اسے شفا دے دیتا ہے۔ اس کا موت سے قریب ہونا اور پھر اس کو موت کی بجائے شفا مل جانا دونوں اللہ کی طرف سے ہین۔ تو یہ ایسے ہی جیسے کوئی کسی معاملہ میں متردد ہو تو پھر وہ خود ہی ایک جہت کو مقدم رکھنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب بندوں پر خصوصی کرم کا اظہار ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ دنیا سے دار الابد کی طرف منتقل ہو جائے اور رنج و محن سے چھٹکارا پائے اور راحت سرمدی کی دولت اس کو مل جائے گا بندہ بشری تقاضے کے تحت موت کو ناپسند کرتا ہے تو میں اسے زندگی کے مطابق چھوڑ دیتا ہوں۔

ایمان افروز بات

علامہ محمد شریف الحق امجدی لکھتے ہیں ایک توجیہہ یہ بھی کی گئی ہے کہ میں بندے کے کسی معاملے میں متردّد شخص کی طرح توقف نہیں کرتا سوائے محبوب بندے کی روح قبض کرنے میں کہ اس میں اس حد تک توقف کرتا ہوں کہ جب تک وہ موت کا مشتاق نہ ہو کہ اس کے سبب مقربین

کے طبقہ میں شامل ہو کر اعلیٰ علیین میں جگہ پائے۔

عاجز مسکین یہاں کہتا ہے کہ میں اپنے بندے کی آنکھ ہو جاتا ہوں، کان ہو جاتا ہوں اور دل ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا، سنتا اور سوچتا ہے جب کیفیت یہ ہوتی ہے تو میرا اور میرے بندے کا فیصلہ الگ الگ نہیں ہوتا اس لیے میں بار بار اسے رحمت سے نوازتا ہوں یہاں تک موت کی کراہت اس سے دور ہو جاتی ہے اور وہ مفارقت کا صدمہ برداشت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور پھر وہ خوشی خوشی میرے پاس آتا ہے۔

بندگی کی معراج

ارباب علم و دانش!

تخلیق کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ خالق کو پسند آجائے بندگی تو یہ ہے کہ بندہ رب کی نظر میں آجائے۔ بندے کے سجدے اور عبودیت معبود کی نظر میں ٹھہر جائیں اور ارباب علم! کتنے مزے کی بات ہے کہ اللہ نے جدوجہد میں کامیابی کی علامت یہی بیان فرمائی:

کامیاب وہ لوگ ہیں جو مجھ سے خوش ہیں اور میں ان سے راضی ہوں۔

یہی وہ عظیم لوگ ہوتے ہیں کہ اُخری نعمتوں کا رخ انہی کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ جنتیں ایسے مردان کار ہی کے لیے سجائی جاتی ہیں۔ کوثر و سلسبیل کی موج کاریاں انہی سے عشق کرتی ہیں یہ عشق میں ایسے ڈوبے ہوئے لوگ ہوتے ہیں خالق کا دل اور توجہ ان کی جاذبیت، کشش، رعنائی اور زیبائی کی طرف اپنی عطاؤں کا رخ پھر دیتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ محبت کا مقام ارفع ہے اللہ اسی پر خاتمہ بخشے۔

اللہ تعالیٰ مشائخِ سلسلہ، جمیع محبین اور احباب اولاد اور حسب نسب کے حاملین اور عشق کاریوں پر عاملین کے درجے بلند فرمائے۔

در سینہ چو دردِ یار دارم
صد ملک ازیں دیار دارم

اے درد! مرو ز سینہ بیروں

زنہار کہ با تو کار دارم

''میں اپنے سینہ میں ایک محبوب ہے جس کا پیار رکھتا ہوں اگر اس علاقے کے سو ملک بھی میرے پاس آجائیں اے درد! میرے دل سے تجھے جدا نہیں ہونے دوں گا اس لیے کہ میں سارے کام اور سروکار تجھ ہی سے ہے''۔